ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2963

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: فقہ المعاملات (2963) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ 5 تا 9 پر مشتمل ہے اور اس کے پانچ سوالات رہن اور وقف کے مباحث سے متعلق ہیں: پہلا سوال رہن کے احکام پر ہے جبکہ باقی چار سوالات وقف کے مختلف پہلوؤں، یعنی خلفائے راشدین کے اوقاف، وقف کی اہمیت، موقوفہ اشیاء کی اقسام اور وقف کی اقسام، پر ہیں۔ ہر جواب کو تعارف، ذیلی عنوانات، جداول و اشکال اور خلاصے کے ساتھ منظم کیا گیا ہے۔ تاریخی تفصیلات میں جہاں منابع میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے وہاں متن میں احتیاط کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

سوال نمبر 1: رہن — مرہون چیز کا متعین ہونا، نقصان، ضمان اور اخراجات کے احکام (20 نمبر)

رہن کے متمیز ہونے، مرہونہ چیز کے نقصان، ضمان اور اس کے خرچ سے متعلقہ مسائل واحکام قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

قرض کا نظام اعتماد پر قائم ہوتا ہے، مگر ہر قرض خواہ محض زبانی وعدے پر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسے یہ تسلی چاہیے ہوتی ہے کہ اگر مقروض ادائیگی میں ناکام ہوا تو اس کا حق کہیں نہ کہیں محفوظ ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شریعت نے رہن کا ادارہ قائم کیا ہے، جس میں مقروض اپنی کوئی قیمتی چیز قرض خواہ کے قبضے میں بطور ضمانت رکھ دیتا ہے۔ رہن قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے، جہاں سفر کی حالت میں کاتب نہ ملنے کی صورت میں قبضے میں دی گئی رہن کا ذکر آیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینہ منورہ میں اپنا لوہے کا زرہ بکتر ایک ضرورت کے عوض گروی رکھا تھا، جو اس باب کی عملی مشروعیت کی مشہور مثال ہے۔ موجودہ دور میں بینکوں کی مارگیج، گاڑی اور جائیداد کی ہائپوتھیکیشن اور سونے کے عوض قرض کی سہولتیں سب اسی قدیم ادارے کی جدید صورتیں ہیں۔ اس سوال میں رہن کے چار مخصوص پہلو مطلوب ہیں: رہن کی چیز کا متعین و ممتاز ہونا، مرہونہ چیز کے نقصان کا حکم، مرتہن کے ضمان کی صورتیں اور مقدار، اور مرہون چیز کے اخراجات کی ذمہ داری۔ یہ چاروں مباحث مل کر رہن کے باب کی عملی ریڑھ بنتے ہیں، کیونکہ رہن کے زیادہ تر تنازعات انہی امور پر پیدا ہوتے ہیں۔

رہن کی تعریف، ارکان اور شرائط

رہن لغت میں روک رکھنے اور قید کرنے کو کہتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں رہن اس عقد کو کہتے ہیں جس میں کسی مالی حق کے مقابلے میں ایک مال کو اس طرح روک لیا جائے کہ حق کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسی مال سے حق کی وصولی ممکن ہو۔ اس عقد کے فریقین میں راہن وہ ہے جو چیز گروی رکھتا ہے، یعنی عام طور پر مقروض، اور مرتہن وہ ہے جس کے پاس چیز گروی رکھی جائے، یعنی قرض خواہ۔ گروی رکھی گئی چیز کو مرہون یا رہن کہا جاتا ہے، اور جس دین کے مقابلے میں رہن رکھا جائے اسے مرہون بہ کہتے ہیں۔ رہن کے صحیح ہونے کی بنیادی شرائط میں سے ہے کہ مرہون ایسا مال ہو جس کی بیع شرعاً و قانوناً ممکن ہو، کیونکہ رہن کا آخری مقصد یہی ہے کہ حسب ضرورت اسے بیچ کر حق

وصول کیا جاسکے۔ دوسری شرط قبضہ ہے، یعنی مرہون چیز مرتہن کے قبضے میں آجائے۔ قبضے کے بغیر رہن مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ رہن کی ساری افادیت اسی روک سے وابستہ ہے۔ قبضہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور حکمی بھی، جیسے مکان کے معاملے میں اسے خالی کرا کر چابیاں دینا اور دستاویزات سپرد کرنا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مرہون بہ ایسا دین ہو جو لازم اور ثابت ہو، خواہ وہ قرض ہو، خریدی گئی چیز کی قیمت ہو یا کسی نقصان کا تاوان۔ رہن کا اثر یہ ہوتا ہے کہ راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون چیز میں فروخت، ہبہ یا مزید رہن جیسا تصرف نہیں کر سکتا، اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دین کی ادائیگی تک چیز کو روکے رکھے، بلکہ مدت پوری ہونے پر مجاز طریقے سے اس کی فروخت سے اپنا حق وصول کرے۔ واضح رہے کہ رہن سے ملکیت منتقل نہیں ہوتی، مرہون چیز بدستور راہن ہی کی ملکیت رہتی ہے، اسی لیے اس کے نفع اور نقصان کے بیشتر احکام کا تعلق بھی راہن سے رہتا ہے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

رہن کے متمیز (متعین و ممتاز) ہونے کے احکام

اس سوال کی پہلی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز رہن رکھی جائے وہ متعین، معلوم اور دوسری چیزوں سے ممتاز ہونی چاہیے۔ اس شرط کے کئی پہلو ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ مرہون مجہول نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میرے گودام میں پڑی چیزوں میں سے کوئی ایک چیز گروی ہے، تو یہ رہن درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں کہ رکاوٹ کس چیز پر ہے اور ضرورت پڑنے پر کس چیز کو بیچا جائے گا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرہون کا وہ ہونا جس کا قبضہ ممکن ہو۔ اسی بنا پر مشاع یعنی غیر منقسم مشترکہ حصے کے رہن کا مسئلہ فقہاء کے ہاں زیر بحث آیا ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور قول کے مطابق مشاع کا رہن ابتداءً مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ گروی چیز کا مرتہن کے مخصوص قبضے میں آنا غیر منقسم حصے میں پوری طرح ممکن نہیں ہوتا، البتہ اگر بعد میں تقسیم ہو جائے یا شریک کے حق میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ قبضہ متصور ہو سکے تو اس کی تفصیلات الگ سے بیان کی گئی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مشاع کا رہن درست ہے کیونکہ ان کے ہاں قبضے کی شرط اس انداز سے نہیں ہے۔ یہی مسئلہ ہبے کے باب میں بھی گزرا ہے کہ مشترکہ مال کے تصرفات میں قبضے کی تکمیل ایک مستقل بحث ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ مرہون دین سے الگ اور آزاد حیثیت رکھتا ہو، یعنی ایسی چیز نہ ہو جو پہلے ہی کسی اور حق میں مقید ہو یا جس کی فروخت قانوناً ممنوع ہو۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ اگر رہن میں متعدد اشیاء رکھی جائیں تو ہر ایک کی تعیین اور فہرست واضح ہو، اور اگر چیز قیمت والی ہے تو اس کی جانچ پڑتال اور تخمینہ ابتدائی مرحلے میں ہو جانا تنازعات سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ پانچواں پہلو یہ ہے کہ رہن کا متعین ہونا محض رسمی شرط نہیں بلکہ اس کی حکمت یہ ہے کہ رہن کا مقصد، یعنی عدم

ادائیگی پر اسی مال سے حق کی وصولی، صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب مال متعین ہو۔ جدید بینکاری میں یہی شرط اثاثے کی مکمل تفصیل، رجسٹری اور تخمینہ رپورٹ کی صورت میں پورا کی جاتی ہے۔ اس لیے طالب علم اس اصول کو یوں یاد رکھے کہ رہن کی چیز جتنی متعین، معلوم اور قابل قبضہ ہو گی، عقد اتنا ہی مضبوط اور قابل نفاذ ہو گا۔

مرہونہ چیز کے نقصان اور ضمان کے احکام

رہن کے باب کا سب سے نازک اور امتحانی لحاظ سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر گروی رکھی ہوئی چیز مرتہن کے قبضے کے دوران ہلاک یا ناقص ہو جائے تو نقصان کس کا ہو گا اور قرض پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اس باب میں فقہ حنفی کا مرکزی اصول یہ ہے کہ مرہون چیز مرتہن کے ہاتھ میں دوہری حیثیت رکھتی ہے۔ بقدر دین وہ مضمون ہے، اور دین سے زائد قیمت کی حد تک وہ امانت ہے۔ اس قاعدے کو فقہاء نے یوں بیان کیا ہے کہ مرہون مرتہن کے پاس دین اور اس کی قیمت میں سے جو کم ہو اس کے بقدر مضمون ہوتا ہے۔ اس کی عملی صورتیں یہ ہیں۔ پہلی صورت: چیز ہلاک ہو گئی اور اس کی قیمت قرض کے برابر تھی تو قرض بھی اسی قدر ساقط ہو جائے گا گویا مرتہن نے اپنا حق پا لیا اور راہن بری ہو گیا۔ دوسری صورت: چیز کی قیمت قرض سے کم تھی تو قرض اسی قدر کم ہو جائے گا اور بقیہ قرض راہن کے ذمے باقی رہے گا۔ تیسری صورت: چیز کی قیمت قرض سے زیادہ تھی تو قرض پورا ساقط ہو گا اور زائد قیمت امانت کے طور پر تھی، لہٰذا اگر ہلاکت مرتہن کی تعدی یا غفلت کے بغیر ہوئی تو زائد کا نقصان راہن کا ہو گا اور مرتہن اس کا ضامن نہیں ہو گا، اور اگر تعدی یا غفلت ہوئی تو مرتہن پوری قیمت کا ضامن بنے گا۔ چوتھی صورت جزئی نقصان کی ہے، یعنی چیز ہلاک تو نہ ہوئی مگر اس میں عیب یا کمی آ گئی۔ اس صورت میں جس تناسب سے چیز کی قیمت کم ہوئی اسی تناسب سے دین بھی ساقط ہو گا، کیونکہ مضمون ہونے کی حیثیت قیمت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ ایک اور صورت یہ ہے کہ چیز مرتہن کی تعدی سے ہلاک ہو، مثلاً اس نے بلا اجازت گاڑی استعمال کی اور حادثہ ہو گیا، یا جانور کو بھوکا رکھا، تو ایسی صورت میں مرتہن کو محض دین کی رقم سے اکتفا نہیں ملے گا بلکہ وہ چیز کی پوری واقعی قیمت کا ضامن ہو گا اور حساب یہ ہو گا کہ قیمت اور دین کا باہمی تصفیہ کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر نقصان آسمانی آفت یا چوری جیسے خارجی سبب سے ہو اور مرتہن نے معمول کی حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو ضمان کی وہی محدود صورت لاگو ہو گی جو اوپر بیان ہوئی۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ مرتہن کو مرہون چیز کے استعمال کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ اسے استعمال کرے گا تو یہ تعدی شمار ہو گی، اور اگر وہ چیز کرائے کی ہو اور اس کے کرائے یا نفع کو قرض کے عوض استعمال کیا جائے تو یہ سودی فائدے کی صورت بن

سکتی ہے، اس لیے فقہاء نے اس سے سختی سے منع کیا ہے۔ البتہ راہن کی واضح اجازت کے ساتھ بعض محدود استعمال کی گنجائش کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں، مگر اصول یہی ہے کہ مرہون مرتہن کے پاس امانت وضمانت کی ملی جلی حیثیت میں ایک روکی ہوئی چیز ہے، اس کے ذاتی مصرف کی چیز نہیں۔

جدول 1: مرہون چیز کی ہلاکت کی صورتوں میں حکم

اثر دین پر	حکم	صورت
راہن بری ہو گیا	دین اسی قدر ساقط	قیمت قرض کے برابر، بلا قصور ہلاکت
بقیہ قرض راہن کے ذمے باقی	دین قیمت کے بقدر ساقط	قیمت قرض سے کم، بلا قصور ہلاکت
زائد نقصان راہن کا	قرض ساقط، زائد امانت کی	قیمت قرض سے زیادہ، بلا قصور ہلاکت
قیمت اور دین کا تصفیہ ہو گا	مرتہن پوری قیمت کا ضامن	مرتہن کی تعدی یا غفلت سے ہلاکت
بقیہ صورت برقرار	قیمت کی کمی کے تناسب سے دین کم	جزئی نقصان یا عیب

مرہون چیز کے اخراجات کے احکام

رہن کے دوران مرہون چیز کی حفاظت، دیکھ بھال اور بقا پر کچھ اخراجات ناگزیر ہوتے ہیں، مثلاً جانور کا چارہ، گاڑی کی حفاظت کا خرچ، جائیداد کے لازمی محصولات، اور گودام یا لاکر کا کرایہ۔ ان اخراجات کی ذمہ داری کا بنیادی اصول ملکیت سے جڑا ہے۔ چونکہ مرہون چیز کی ملکیت بدستور راہن کی ہے اور اس کی نماء یعنی پیدا ہونے والا اضافہ، مثلاً جانور کا بچہ، دودھ یا جائیداد کا کرایہ، بھی راہن ہی کا ہوتا ہے، اس لیے اصول یہ مقرر ہوا کہ مرہون چیز کی ذات کی بقا اور حفاظت کے اخراجات راہن کے ذمے ہوں گے۔ فقہی کتب میں اس کی تفصیل یہ بیان ہوتی ہے کہ جانور کے چارے اور اس کی نگرانی، جائیداد کی ضروری مرمت اور اس قسم کے مصارف جو خود چیز کو باقی رکھنے کے لیے ہوں، راہن ادا کرے گا۔ دوسری طرف کچھ اخراجات ایسے ہیں جو مرتہن کے قبضے اور اس کے حق روک کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جیسے چیز کو مرتہن کے مخصوص گودام میں رکھنے کا انتظام۔

ان کے باب میں فقہاء کی تفصیل یہ ہے کہ مرتہن اپنے مفاد کے لیے کیے گئے انتظامات کا خرچ از خود راہن سے نہیں لے سکتا جب تک راہن کی اجازت یا عدالت کا فیصلہ نہ ہو، کیونکہ مرتہن نے قبضہ اپنے حق کی حفاظت کے لیے لیا ہے۔ البتہ اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے یا قاضی کی ہدایت پر چیز کی بقا کے لیے ضروری خرچ کیا، مثلاً بیمار جانور کا علاج کرایا تاکہ چیز ہلاک نہ ہو جائے، تو وہ اس خرچ کی وصولی کا حق رکھتا ہے، اور بعض صورتوں میں اس خرچ کی وصولی تک چیز کو روکنے کا حق بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہاں ایک فرق یاد رکھنا ضروری ہے: وہ خرچ جو مرہون کی ذات کی بقا کے لیے ہے اور وہ خرچ جو اس کو بہتر بنانے یا اس سے نفع حاصل کرنے کے لیے ہے، دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ ذاتی فائدے کے لیے کیا گیا خرچ مرتہن کا اپنا ہو گا اور اس سے دین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح واضح قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی مدت کے دوران مرہون کی قیمت میں اضافے کا فائدہ راہن کو اور قدرتی کمی کا مذکورہ ضمان کے اصولوں کے تحت تصفیہ ہوتا ہے۔ جدید صورتوں میں بنک مارگیج والی جائیداد کی انشورنس، ٹیکس اور دیکھ بھال کے اخراجات معاہدے میں صراحت سے طے کر لیے جاتے ہیں، جو دراصل اسی فقہی اصول کی عملی تصدیق ہے کہ اخراجات کی ذمہ داری متنازع نہیں رہنی چاہیے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ رہن دین کے مقابلے میں مال کو روک کر رکھنے کا عقد ہے جس کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ مرہون چیز متعین، معلوم، ممتاز، قابل بیع اور قابل قبضہ ہو، اور مشاع کے رہن پر فقہاء کی مفصل بحث اسی قبضے و تعیین کی بنیاد پر قائم ہے۔ مرہون چیز کے نقصان کا حکم یہ ہے کہ وہ مرتہن کے ہاتھ میں دین اور قیمت میں سے کم کے بقدر مضمون ہوتی ہے، اس لیے بلا قصور ہلاکت پر دین اسی قدر ساقط ہو جاتا ہے، قیمت کی زائد مقدار امانت ہوتی ہے، جبکہ تعدی یا تقصیر کی صورت میں مرتہن پوری قیمت کا ضامن بن جاتا ہے اور جزئی نقصان پر دین متناسباً کم ہوتا ہے۔ مرہون کے اخراجات کا اصول ملکیت سے جڑا ہے کہ چیز کی بقا کی لاگت راہن پر ہے، جبکہ مرتہن کے نجی نگرانی کے انتظامات اس کے اپنے مفاد کے ہیں، اور اجازت یا عدالتی ہدایت سے کیا گیا ضروری خرچ قابل وصولی ہوتا ہے۔ طالب علم کو یہ چاروں نکات ترتیب سے یاد کرنے چاہئیں: تمیز و تعیین، ہلاکت کا حکم، ضمان کی مقدار، اور اخراجات کی تقسیم۔ کسی عملی رہن کے تنازعے میں حتمی رائے مستند علماء اور مجاز عدالت کی ہوتی ہے۔

سوال نمبر2: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے قائم کردہ اوقاف پر نوٹ (20نمبر)

خلفائے راشدینؓ کے قائم کردہ اوقاف پر نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

وقف اسلامی تہذیب کے ان اداروں میں سے ہے جنہوں نے صدیوں تک مسلم معاشروں کی تعلیم، صحت، عبادت اور فلاح عامہ کا بوجھ اٹھائے رکھا۔ وقف کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پڑی، اور آپ کی رہنمائی و ترغیب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خلفائے راشدین کا دور اس لیے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں وقف ذاتی نیکی کے عمل سے آگے بڑھ کر ایک باقاعدہ سماجی ادارے کی صورت اختیار کرنے لگا، اس کی دستاویزی شرائط طے ہونے لگیں، اور ریاست نے بھی فلاحی املاک کی نگرانی کا فریضہ سنبھالا۔ اس نوٹ میں چاروں خلفائے راشدین کے قائم کردہ مشہور اوقاف کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہاں ابتدا یا یہ وضاحت ضروری ہے کہ تاریخی منابع میں بعض اوقاف کی تفصیلات میں اختصار یا اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے اس جواب میں صرف ان مشہور و معروف مثالوں کو مرکز بنایا گیا ہے جو کبار کتب حدیث، سیر اور فقہ میں عمومی طور پر مذکور ہیں، اور جہاں روایات کی تفصیل میں فرق ہے وہاں احتیاط کا لہجہ اختیار کیا گیا ہے، تاکہ طالب علم کی تحریر علمی امانت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اوقاف

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انفاق فی سبیل اللہ میں سب صحابہ سے آگے تھے اور ان کا پورا مال قبول اسلام کے بعد دین و امت کی خدمت میں صرف ہوا۔ تاریخی روایات میں ان سے بعض املاک کی وقفی نوعیت کی منتقلی کا ذکر ملتا ہے، اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کے دور خلافت میں بیت المال کی باقاعدہ تنظیم عمل میں آئی، جو اگرچہ وقف سے الگ ادارہ تھا مگر اسی فلاحی فکر کی توسیع تھا کہ عوامی مال عوامی ضرورتوں کے لیے محفوظ اور منظم رہے۔ ان کے دور میں مساجد کی توسیع اور مجاہدین و محتاجوں کی کفالت کے نظام نے آئندہ اوقاف کے لیے ماحول بنایا۔ اوقاف کی تاریخ کا باقاعدہ اور سب سے مشہور نقطہ آغاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیبر کا وقف ہے۔ جب خیبر کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں وہاں کی قیمتی زرعی زمین آئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا کہ اس بہترین مال کا بہترین مصرف کیا ہو۔ آپ نے

رہنمائی فرمائی کہ اگر تم چاہو تو اصل زمین کو روک لو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر عمل کیا اور اس زمین کو وقف کر دیا۔ اس وقف کی دستاویزی شرائط بعد کے تمام وقف ناموں کا نمونہ بن گئیں: اصل جائیداد نہ بیچی جائے گی، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ وراثت میں تقسیم ہو گی، البتہ اس کی پیداوار فقراء، مساکین، قرابت داروں، غلاموں کی آزادی، مجاہدین اور مسافروں پر صرف ہو گی، اور متولی اگر عرف کے مطابق اس میں سے مناسب کھالے یا کسی کو کھلا دے تو اس پر کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ مال جمع کرنے کی نیت نہ رکھے۔ یہ واقعہ صحیحین سمیت حدیث کی بڑی کتب میں مذکور ہے اور فقہاء نے وقف کے بیشتر بنیادی اصول، یعنی اصل کی بقا، منفعت کا صدقہ، شرائط واقف کی پابندی اور تولیت کے ضوابط، اسی واقعے سے اخذ کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں وقف کی نگرانی کو انتظامی سطح پر بھی منظم کیا۔ بیت المال کی باقاعدہ شاخیں، دیوان کا قیام، اور فتوحات سے حاصل ہونے والی اراضی کو انفرادی ملکیت میں دینے کے بجائے اجتماعی وقف یا خراجی حیثیت میں محفوظ رکھنے کا فیصلہ اسی فکر کا ثبوت تھا۔ سواد عراق کی زمینوں کو فوجیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے اصل کاشتکاروں کے پاس باقی رکھ کر ان کا خراج امت کے اجتماعی مفاد کے لیے مقرر کرنا، ماہرین کی نظر میں وقف کے اسی اصول کی وسیع ترین ریاستی تطبیق تھی کہ اصل محفوظ رہے اور آمدنی حال و مستقبل کی نسلوں کے فائدے میں آئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اوقاف

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت ضرب المثل ہے اور وقف کی تاریخ میں ان کے کارنامے خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کا سب سے مشہور وقف بئر رومہ یعنی رومہ کا کنواں ہے۔ مدینہ منورہ میں پینے کے میٹھے پانی کا یہ واحد قابل ذکر کنواں ایک شخص کی ملکیت تھا جو پانی فروخت کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنے پر جنت کی بشارت کے ساتھ ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کر کے یہ کنواں خریدا اور اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، جس کے بعد پانی مفت دستیاب ہو گیا۔ اس وقف کی حیران کن بات یہ ہے کہ یہ صدیوں تک قائم رہا اور بعد کے ادوار میں اس کے گرد کھجوروں کے باغات لگائے گئے جن کی آمدنی آج تک فلاحی مصارف میں خرچ ہونے کی روایت تاریخی مصادر میں درج ہے۔ یہ مثال بتاتی ہے کہ ایک درست نیت اور مضبوط اصول پر قائم شدہ وقف صدیوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دوسرا بڑا وقفی کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع ہے۔ جب نمازیوں کی کثرت سے مسجد ناکافی ہونے لگی تو انہوں نے اپنے ذاتی مال سے اطراف کی زمینیں خرید کر مسجد میں شامل کیں اور اسے وسعت دی۔ یہ دراصل مسجد کی وقفیت میں اضافہ تھا، کیونکہ جو زمین مسجد میں شامل ہو جائے وہ وقف کے حکم میں آ جاتی

ہے۔اسی طرح غزوہ تبوک کے موقع پر لشکر کی تیاری کے لیے ان کی طرف سے فراخ دلانہ مالی تعاون فقہی اصطلاح میں وقف سے الگ انفاق تھا، مگر اس سے خلفائے راشدین کے دور کی اس مجموعی ثقافت کا اندازہ ہوتا ہے جس میں مال کو اجتماعی بھلائی کے لیے روک اور خرچ کرنا سب سے بڑی نیکی سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں امت کی جغرافیائی وسعت کے ساتھ ساتھ دور دراز کے علاقوں میں مساجد و مدارس کے لیے اوقاف قائم کرنے کا رواج عام ہوا اور وقف ایک بین الاقوامی فلاحی ادارے کی شکل اختیار کرنے لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوقاف اور دور راشدہ کا مجموعی نظام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوقاف میں مدینہ کے قریب ینبع کے علاقے کی زمینوں اور چشموں کا وقف خاص طور پر مشہور ہے۔ تاریخی مصادر میں مذکور ہے کہ انہوں نے ینبع میں اپنی املاک، باغات اور پانی کے چشمے فقراء و مساکین اور اجتماعی بھلائی کے لیے وقف کیے، اور ان کے اوقاف کی تحریری شرائط بھی منقول ہوئی ہیں جن میں مستفیدین کی ترتیب، متولی کی ذمہ داریاں اور آمدنی کے مصارف درج تھے۔ ان وقف ناموں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور راشدہ کے اواخر تک وقف کی دستاویز سازی ایک پختہ رواج بن چکی تھی اور واقفین اپنے بعد کے انتظام کے لیے واضح ہدایات چھوڑتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوقاف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان میں خاندان و اقرباء کی کفالت اور عام فقراء کی مدد کو یکجا رکھا گیا، جسے آگے چل کر فقہاء نے مشترک وقف کی صورت میں باقاعدہ اصطلاح دی۔ چاروں خلفاء کے مجموعی نظام کا جائزہ لیا جائے تو چند مشترکہ خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وقف کی بنیاد رضائے الٰہی اور صدقہ جاریہ کی نیت تھی، نمائش و شہرت اس کا مقصد نہیں تھا۔ دوسری یہ کہ اوقاف کا رخ ہمیشہ حقیقی اجتماعی ضرورتوں کی طرف رہا، چاہے وہ پانی کی فراہمی ہو، عبادت گاہ کی وسعت ہو، خوراک کی پیداوار ہو یا غریبوں کی کفالت۔ تیسری خصوصیت شرائط کی واضح تحریر اور متولی کا تقرر تھا، جس نے وقف کو نسلوں تک قابل عمل بنایا۔ چوتھی خصوصیت ریاستی نگرانی کا آغاز تھا، جس کے تحت خلافت اوقاف کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی، مگر واقف کی شرائط میں بے جا مداخلت نہیں کرتی تھی۔ انہی اصولوں پر بعد کے ادوار میں مدارس، کتب خانے، شفاخانے، سرائے، پل اور قبرستانوں کے عظیم وقفی نظام قائم ہوئے، اور سلطنت عثمانیہ تک یہ ادارہ مسلم شہروں کی سماجی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی رہا۔ پاکستان سمیت جدید مسلم ریاستوں میں اوقاف کے محکمے اور قوانین اسی تاریخی تسلسل کی موجودہ صورت ہیں، اگرچہ ان کی کارکردگی بہتر انتظام کی محتاج رہتی ہے۔

جدول 1: خلفائے راشدین کے مشہور اوقاف کا خلاصہ

خلیفہ	مشہور وقف یا کارنامہ	نوعیت و اہمیت
حضرت عمر فاروقؓ	خیبر کی زمین (ثمغ) کا وقف	باقاعدہ وقف نامے کا نمونہ؛ پیداوار فقراء و مجاہدین کے لیے
حضرت عمر فاروقؓ	سواد عراق کی اراضی کی اجتماعی حیثیت	اصل محفوظ، آمدنی امت کے لیے — وسیع ترین اطلاق
حضرت عثمان غنیؓ	بئر رومہ (رومہ کا کنواں)	پانی کی فراہمی کا وقف؛ صدیوں تک قائم رہا
حضرت عثمان غنیؓ	مسجد نبوی کی توسیع کے لیے اراضی	عبادت گاہ کی وقفیت میں اضافہ
حضرت علیؓ	ینبع کی زمینیں اور چشمے	تحریری شرائط کے ساتھ فلاحی وقف

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین نے وقف کو صدقہ جاریہ کے تصور سے آگے بڑھا کر ایک منظم سماجی ادارہ بنا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال کی تنظیم اور انفاق کی ثقافت نے اس کی بنیاد رکھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خیبر کے وقف نے اس کے اصول و شرائط کا مکمل نمونہ فراہم کیا اور اجتماعی اراضی کے فیصلے نے اسے ریاستی سطح دی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بئر رومہ اور مسجد نبوی کی توسیع کے اوقاف نے پانی و عبادت جیسی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ینبع کے اوقاف نے تحریری وقف ناموں کی روایت کو پختہ کیا۔ ان مثالوں کا مشترک پیغام یہ ہے کہ وقف کی بقا اسی وقت ممکن ہے جب اصل مال محفوظ ہو، شرائط

واضح ہوں، متولی دیانت دار ہو اور آمدنی واقعی مستحقین تک پہنچے۔ یہ نوٹ تاریخی مطالعے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تفصیلات میں منابع کے معمولی اختلافات کی بنا پر حتمی تاریخی تحقیق کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

سوال نمبر 3: وقف کی اہمیت (20 نمبر)

وقف کی اہمیت بیان کریں۔(20)

تعارف

اسلام نے فرد کی نیکی کو صرف اس کی زندگی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے موت کے بعد بھی جاری رکھنے کا ایک شاندار نظام عطا کیا ہے، اور اس نظام کا نام وقف ہے۔ مشہور حدیث کا مفہوم ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں جاری رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ وقف اسی صدقہ جاریہ کی سب سے منظم اور پائیدار صورت ہے، کیونکہ اس میں اصل مال محفوظ رہتا ہے اور اس کی منفعت نسل در نسل انسانوں تک پہنچتی رہتی ہے۔ اس سوال میں وقف کی اہمیت کو دینی، سماجی، تعلیمی، معاشی اور تہذیبی پہلوؤں سے بیان کیا جائے گا اور یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ موجودہ دور میں یہ ادارہ دوبارہ کیوں ناگزیر ہو گیا ہے۔

وقف کی تعریف اور اس کی دینی اہمیت

وقف لغت میں روکنے اور ٹھہرانے کو کہتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں وقف اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز کو اللہ کی رضا کے لیے اس طرح محبوس کر دیتا ہے کہ اس کی اصل باقی رہے اور اس کی منفعت مسلسل خیر کے کاموں یا متعین افراد پر صرف ہوتی رہے۔ دینی اہمیت کے لحاظ سے وقف کی سب سے بڑی فضیلت اس کے ثواب کا استمرار ہے۔ ایک بار کی صدقہ سے ایک بار کا ثواب ملتا ہے، مگر وقف شدہ مسجد میں ہونے والی ہر نماز، وقف شدہ مدرسے میں پڑھایا جانے والا ہر سبق، وقف کنویں سے

پیا جانے والا ہر گھونٹ پانی واقف کے لیے جاری ثواب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی پر صحابہ کرام نے اوقاف قائم کیے اور یہ سلسلہ پوری اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں رکا۔ دوسری دینی اہمیت یہ ہے کہ وقف مال کی محبت پر قابو پانے اور آخرت کی تیاری کا ذریعہ ہے، کیونکہ واقف اپنی قیمتی ملکیت کو رضاکارانہ طور پر ہمیشہ کے لیے اپنے اور اپنے ورثاء کے ذاتی تصرف سے نکال دیتا ہے۔ تیسری اہمیت یہ ہے کہ وقف عبادت گاہوں کے نظام کو چلانے کی بنیاد ہے: مساجد، مدارس اور خانقاہیں صدیوں تک اس لیے قائم رہیں کہ ان کے اخراجات اوقاف کی آمدنی سے پورے ہوتے رہے اور وہ کسی حکمران یا مخیر شخص کی وقتی مدد کے محتاج نہ رہے۔ چوتھی اہمیت تکافل یعنی باہمی کفالت کے شرعی نظام کو مضبوط کرنا ہے، کیونکہ وقف کی آمدنی سے یتیموں، بیواؤں، قیدیوں، مقروضوں اور مسافروں کی مدد ریاست کے خزانے سے ہٹ کر معاشرے کی اپنی اجتماعی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے وقف محض ایک خیراتی عمل نہیں بلکہ اسلام کے اس تصور کی عملی تصویر ہے کہ مال اللہ کی امانت ہے اور اس کا بہترین استعمال وہ ہے جس کا فائدہ مخلوق کو مسلسل پہنچتا رہے۔

وقف کی سماجی و تعلیمی اہمیت

سماجی سطح پر وقف کی اہمیت اس کے اثرات کی وسعت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ کی بڑی درسگاہیں، جیسے بغداد کی نظامیہ اور قاہرہ کی جامعہ ازہر، اوقاف کی آمدنی سے چلتی تھیں۔ اساتذہ کی تنخواہیں، طلبہ کے وظائف، کتب خانوں کی کتابیں اور طلبہ کی رہائش سب وقف سے پوری ہوتی تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریب ترین طالب علم بھی بہترین تعلیم بلا معاوضہ حاصل کر لیتا تھا اور تعلیم کسی طبقے کی اجارہ داری نہیں بنتی تھی۔ کتب خانوں کے اوقاف نے مخطوطات کی حفاظت اور علم کی نشر و اشاعت کو ممکن بنایا۔ صحت کے میدان میں بھی صورت یہی تھی کہ دمشق اور بغداد سمیت بڑے شہروں کے شفاخانے وقف پر قائم تھے جہاں علاج، ادویات اور کھانا مریضوں کو مفت ملتا تھا۔ پانی کی فراہمی کے لیے کنوؤں، حوضوں اور سبیلوں کے اوقاف، مسافروں کے لیے سرائے اور کاروان سرائے، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت، قبرستانوں کی دیکھ بھال، قیدیوں کی رہائی اور غریب لڑکیوں کی شادیوں میں مدد، یہ سب وقف کی سماجی خدمات کی وہ فہرست ہے جس نے قرونِ وسطیٰ کے مسلم شہروں کو اس دور کی ترقی یافتہ ترین فلاحی بستیوں میں بدل دیا تھا۔ سماجی انصاف کے پہلو سے وقف دولت کے ارتکاز کو بھی روکتا ہے، کیونکہ بڑی املاک کا ایک حصہ مستقل طور پر نجی منافع سے نکل کر اجتماعی مفاد میں آ جاتا ہے اور

امیر و غریب کے درمیان فاصلہ کم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ وقف معاشرے میں اعتماد اور خیر خواہی کو فروغ دیتا ہے، کیونکہ لوگ دیکھتے ہیں کہ وسائل رکھنے والے اپنے مال کو دوسروں کے لیے روک رہے ہیں، تو عمارت ساز محنت کش سے لے کر طالب علم تک ہر سطح پر اسی اجتماعی ذمہ داری کا احساس پروان چڑھتا ہے۔

وقف کی معاشی اہمیت اور جدید دور میں اس کی ضرورت

معاشی اعتبار سے وقف کے کئی انفرادی فوائد ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اثاثوں کو پائیدار بہاؤ میں رکھتا ہے: وقف شدہ دکانوں، بازاروں اور زرعی زمینوں سے کرائے اور پیداوار کی صورت میں مسلسل آمدنی پیدا ہوتی ہے جو فلاحی کاموں پر خرچ ہو کر معیشت کو مزید فعال کرتی ہے۔ دوسرا یہ کہ وقف روزگار پیدا کرتا ہے: تعمیرات، اساتذہ، اطباء، متولی اور خدمات کے شعبوں میں ہزاروں افراد کی روزی اسی نظام سے وابستہ رہی ہے۔ تیسرا یہ کہ وقف ریاست کے خزانے کا بوجھ ہلکا کرتا ہے، کیونکہ تعلیم، صحت اور صفائی جیسی خدمات کا ایک حصہ رضاکارانہ نظام اٹھا لیتا ہے اور حکومت اپنے وسائل دیگر منصوبوں پر لگا سکتی ہے۔ چوتھا یہ کہ وقف ناقابلِ فروخت ہونے کی وجہ سے اثاثے کو وقتی جذبات، خاندانی تقسیم یا قرض کی نذر ہونے سے بچا لیتا ہے، اس لیے شہروں کی مرکزی فلاحی املاک صدیوں تک برقرار رہیں۔ جدید دور میں ان فوائد کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ آج بڑھتی آبادی، مہنگی تعلیم و صحت اور ریاستوں کے محدود وسائل کے دور میں وقف کو نئے انداز سے زندہ کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر میں تعلیمی اداروں کے انڈومنٹ فنڈز دراصل وقف ہی کی جدید صورت ہیں، جن کی اصل رقوم محفوظ رہتی ہیں اور ان کے منافع سے اسکالرشپ اور تحقیق چلتی ہے۔ اسی طرح وقف فنڈ، اجتماعی وقف اور نقدی وقف کی نئی صورتوں پر فقہاء اور معیشت دان مشترکہ تحقیق کر رہے ہیں تاکہ چھوٹے سرمایہ والے افراد بھی اجتماعی وقف میں حصہ ڈال سکیں۔ پاکستان میں اوقاف کی لاکھوں ایکڑ اراضی اور ہزاروں املاک موجود ہونے کے باوجود ان کی آمدنی ان کے امکانات سے بہت کم ہے، جس کی بنیادی وجوہات بدانتظامی، ناجائز قبضے اور پرانے کرائے ہیں۔ اگر ان املاک کو شفاف انتظام، جدید آڈٹ اور شرعی حدود کے اندر پیداواری استعمال میں لایا جائے تو یہ ملک کی تعلیم، صحت اور فلاحِ عامہ میں انقلاب لا سکتی ہیں۔ یہیں وقف کی اہمیت کا عملی سبق بھی ہے کہ وقف کی فضیلت اسی وقت حقیقت بنتی ہے جب اس کا انتظام امانت، شفافیت اور احتساب کے ساتھ ہو، ورنہ یہ ادارہ اپنی افادیت کھو دیتا ہے۔

جدول 1: وقف کی اہمیت کے نمایاں پہلو

پہلو	اہمیت	مثال
دینی	صدقہ جاریہ کا مسلسل ثواب	وقف مسجد و مدرسہ کا جاری اجر
تعلیمی	مفت و مساوی تعلیم کی فراہمی	نظامیہ و ازہر کا وقفی نظام
سماجی	کمزور طبقات کی کفالت و تکافل	یتیم، بیوہ، مسافر کی مدد
طبی	مفت علاج کی سہولت	وقف شفاخانے (بیمارستان)
معاشی	روزگار، آمدنی اور اثاثوں کا تحفظ	وقف بازاروں کی کرایہ آمدنی

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ وقف کی اہمیت اس کی چار جہتی افادیت میں ہے۔ دینی جہت سے یہ صدقہ جاریہ ہے جو واقف کے لیے جاری ثواب اور مال پر قابو کا ذریعہ ہے۔ سماجی جہت سے یہ تکافل کا مضبوط نظام ہے جو پانی، سرائے، قبرستان اور محتاجوں کی کفالت جیسی خدمات فراہم کرتا ہے۔ تعلیمی و طبی جہت سے اس نے صدیوں تک غریب و امیر کے لیے یکساں علم و علاج کا دروازہ کھولا رکھا۔ معاشی جہت سے یہ آمدنی، روزگار اور اثاثوں کے تحفظ کا ذریعہ ہے اور ریاست کے بوجھ کو ہلکا کرتا ہے۔ جدید دور میں انڈومنٹ فنڈز اور اجتماعی اوقاف اسی ادارے کی نئی صورتیں ہیں، اور پاکستان جیسے ممالک کے لیے اس کا درست انتظام تعلیم و صحت کے شعبوں میں فیصلہ کن تبدیلی لا سکتا ہے۔ طالب علم کو یاد رکھنا چاہیے کہ وقف کی اصل فضیلت نیت، شرائط کی پابندی اور دیانت دار انتظام سے حاصل ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4: موقوفہ اشیاء کی اقسام اور ان کے احکام (20 نمبر)

موقوفہ اشیاء کی اقسام اور ان کے احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

وقف کی بحث میں جہاں واقف اور مستفیدین کا مطالعہ اہم ہے، وہیں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کون سی چیزیں وقف کی جاسکتی ہیں اور ہر قسم کی مخصوص شرائط واحکام کیا ہیں۔ ہر مال وقف کے قابل نہیں ہوتا، کیونکہ وقف کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اصل چیز باقی رہے اور اس کی منفعت مسلسل حاصل ہوتی رہے۔ اس لیے جو چیز استعمال سے ختم ہو جاتی ہے اس کا وقف اس تصور سے میل نہیں کھاتا۔ فقہاء نے اسی اصول کی روشنی میں موقوفہ اشیاء کو اقسام میں تقسیم کیا اور ہر قسم کے لیے الگ تفصیلات بیان کیں۔ اس سوال میں موقوفہ اشیاء کی اقسام دو زاویوں سے بیان کی جائیں گی: پہلے مال کی نوعیت کے اعتبار سے یعنی غیر منقولہ، منقولہ اور نقد و حقوق، اور پھر استعمال و مقصد کے اعتبار سے یعنی مساجد، مقابر، تعلیمی و رفاہی املاک، اور ہر قسم کے احکام اسی کے ساتھ درج کیے جائیں گے۔

موقوفہ اشیاء کی بنیادی شرائط

اقسام سے پہلے وہ شرائط ذہن میں رکھنا ضروری ہے جن کے بغیر کوئی چیز موقوفہ نہیں بن سکتی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ چیز شرعی اعتبار سے مال متقوم ہو، یعنی اس کا استعمال شریعت میں جائز اور اس کی کوئی حلال منفعت ہو۔ دوسری شرط ملکیت ہے: واقف اس چیز کا مالک ہو، کیونکہ دوسرے کی چیز کا وقف نہیں ہو سکتا۔ تیسری شرط بقائے اصل ہے، یعنی چیز ایسی ہو کہ اس کی عین باقی رکھ کر اس سے بار بار منفعت حاصل کی جاسکے، جیسے زمین، مکان، کنواں اور کتاب۔ کھانا پینا، ایندھن اور اس قسم کی اشیاء جو ایک استعمال میں ختم ہو جاتی ہیں، ان کا وقف فقہاء کے نزدیک درست نہیں، البتہ ایسی چیزوں کا صدقہ ہوتا ہے وقف نہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ چیز معلوم و متعین ہو، مجہول مال کا وقف نہیں ہو سکتا۔ پانچویں شرط بعض فقہاء کے نزدیک قبضہ و تسلیم کی ہے، خاص کر جب وقف کسی متولی کے سپرد کیا جاتو اس کی سپردگی کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ وقف ہمیشہ کے لیے ہو، فقہاء کی اکثریت کے نزدیک وقف کا ابدی ہونا اس کی شرائط میں شامل ہے تاکہ اسباب خیر جاری رہیں، البتہ مالکی مسلک میں مؤقت وقف کی بھی گنجائش ہے جس کی تفصیل پانچویں سوال میں آئے گی۔ ان شرائط کی روشنی میں اب اقسام کا جائزہ لیا جائے گا۔

قسم اول: غیر منقولہ اشیاء اور ان کے احکام

وقف کا سب سے قدیم، مشہور اور قابل اعتماد موضوع غیر منقولہ جائیداد ہے، یعنی زمین، مکان، دکان، باغ اور کنواں وغیرہ۔ ایسی املاک میں بقائے اصل اور تسلسل منفعت کی شرائط مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کے احکام میں یہ ہے کہ وقف شدہ زمین و مکان فروخت نہیں کیا جا سکتا، نہ ہبہ ہو سکتا ہے اور نہ وراثت میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ جائیداد کرائے پر دی جا سکتی ہے اور اس کا کرایہ واقف کی مقرر کردہ جہتوں میں صرف ہو گا۔ زرعی زمین کے وقف میں اس کی پیداوار، خراج و محصولات اور آبادکاری کے اخراجات کے بعد بچنے والی آمدنی مستفیدین پر خرچ ہو گی۔ جائیداد کی ضروری مرمت آمدنی سے سب سے پہلے کی جائے گی، کیونکہ اصل کی بقا مقدم ہے، اور اگر آمدنی نہ ہو تو بعض ہنگامی صورتوں کے مخصوص اصول فقہی کتب میں مذکور ہیں۔ مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کا حکم باقی تمام اوقاف سے الگ اور زیادہ سخت ہے: جس زمین پر شرعی طریقے سے مسجد قائم ہو جائے اور اس میں نماز پڑھی جائے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد بن جاتی ہے، اسے کسی اور مقصد میں بدلنا جائز نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر آبادی ختم ہو جائے تب بھی فقہاء نے اس کی مسجدیت کو برقرار رکھا ہے۔ قبرستان کی زمین کا حکم بھی اسی نوعیت کا ہے کہ وہ تدفین کے لیے مختص رہے گی اور اس پر عام مکانات کی تعمیر درست نہیں ہو گی۔ ایک اہم بحث استبدال کی ہے، یعنی ایسی وقف جائیداد جو نفع دینا چھوڑ دے اسے بیچ کر اس کی جگہ دوسری جائیداد خریدنا۔ اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں: حنفی فقہاء نے اسے صرف مخصوص اور تنگ شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے جبکہ بعض دیگر فقہاء نے عوامی مفاد کی بنیاد پر نسبتاً وسیع گنجائش دی ہے۔ عملی قانون میں یہ معاملہ عدالت یا محاذ اتھارٹی کی منظوری سے ہوتا ہے۔

قسم دوم: منقولہ اشیاء، نقدی اور حقوق کا وقف

منقولہ اشیاء یعنی نقل کی جا سکنے والی چیزوں کے وقف میں فقہاء کے درمیان اصول بھی ہے اور اختلاف بھی۔ امام محمد رحمہ اللہ کا مشہور اصول یہ ہے کہ منقولہ چیزوں میں سے صرف ان کا وقف درست ہے جن کا وقف کرنا مسلمانوں کے عرف و تعامل میں رائج ہو۔ اس اصول کے تحت قرآن مجید کے نسخے، دینی و علمی کتابیں، غلہ و اوزار کے بعض معروف اوقاف، اور جہاد کے لیے گھوڑے و اسلحہ کا وقف درست قرار پایا، کیونکہ یہ چیزیں استعمال کے باوجود عین کی بقا کی شرط کو خاصی حد تک پورا کرتی ہیں۔ اسی کے برعکس

عام مشینری یا فرنیچر جیسی چیزوں کے وقف میں قدماء نے احتیاط کی، مگر متاخرین فقہاء نے مدارس وشفاخانوں کی ضرورت کی اشیاء کے وقف کو عرف کی بنیاد پر درست کہا ہے، اور جدید دور میں کمپیوٹر، ایمبولینس اور طبی آلات کے وقف کو اسی اصول کی توسیع سمجھا جاتا ہے۔ نقدی کے وقف کا مسئلہ تاریخ میں خاص طور پر مشہور ہوا۔ قدماء کی اکثریت نے اسے اس لیے قبول نہیں کیا تھا کہ نقدی خرچ ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی عین باقی نہیں رہتی۔ مگر امام زفر رحمہ اللہ کی رائے اس کے جواز کی تھی، اور سلطنت عثمانیہ کے دور میں نقدی اوقاف کا وسیع نظام قائم ہوا جس میں رقم کو مضاربت وغیرہ جائز ذرائع میں لگا کر اس کا نفع خیر کے کاموں میں خرچ کیا جاتا تھا۔ بعض متاخر حنفی فقہاء نے عوامی ضرورت اور رائج تعامل کی بنا پر اس رائے کو قبول کیا۔ دور حاضر میں وقف فنڈز اور نقد اجتماعی اوقاف اسی بحث کی جدید صورت ہیں، مگر یہاں ایک بڑی احتیاط لازم ہے کہ نقد وقف کی سرمایہ کاری ہر صورت سود سے پاک جائز ذرائع سے ہو، کیونکہ سودی لین دین میں لگا ہوا وقف اپنے مقصد ہی کے منافی ہو جائے گا۔ حقوق اور منافع کے وقف میں یہ بحث آتی ہے کہ کیا صرف کسی چیز کی منفعت وقف ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے مکان کا کرایہ دس سال کے لیے کسی مدرسے کے لیے وقف کر دے۔ اس میں بھی فقہاء کی تفصیلات موجود ہیں اور بعض نے اسے محدود شرائط کے ساتھ درست کہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ منقولہ ونقدی وقف کا باب عرف، ضرورت اور بقائے اصل کی کمی کو پورا کرنے والے انتظام پر کھڑا ہے، اس لیے اس میں اصولوں کی سمجھ کے ساتھ ہر نئی صورت کو مستند اہل علم کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔

جدول 1: موقوفہ اشیاء کی اقسام اور ان کے کلیدی احکام

کلیدی حکم	مثالیں	قسم
فروخت، ہبہ ووراثت ممنوع؛ آمدنی شرائط واقف کے مطابق	زمین، مکان، دکان، باغ، کنواں	غیر منقولہ
ہمیشہ مسجد؛ کسی اور استعمال میں تبدیلی جائز نہیں	مسجد کے لیے مختص جائیداد	مسجد کی زمین
امام محمد کے اصول کے مطابق وقف درست	مصاحف، کتابیں، جہاد کا اسلحہ وگھوڑے	منقولہ (معروف فی العرف)

اختلافی؛جواز کی صورت میں سرمایہ کاری سود سے پاک لازمی	رقم کاوقف / وقف فنڈ	نقدی
محدود شرائط و آراء کے ساتھ قابل غور	کرایے کی آمدنی،مکان کی منفعت	منفعت و حقوق

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ اشیاء میں بنیادی شرط بقائے اصل کے ساتھ مسلسل منفعت ہے،لہذا غیر منقولہ جائداد وقف کا اصل و مضبوط موضوع ہے جس کے احکام میں فروخت و ہبے کی ممانعت، مرمت کی تقدیم اور مسجد و قبرستان کی خصوصی وقفیت شامل ہیں۔ منقولہ اشیاء میں وہی چیزیں وقف ہو سکتی ہیں جن کا وقف عرف میں رائج ہو، جیسے مصاحف و کتب، اور جدید حالات میں یہی اصول طبی و تعلیمی آلات تک وسیع ہوتا ہے۔ نقدی کا وقف امام زفر کی رائے اور عثمانی تعامل کے بعد قابل قبول ہوا مگر اس کی سرمایہ کاری کا سود سے پاک ہونا ضروری ہے، اور منافع و حقوق کے وقف کی صورتیں الگ آراء کے ساتھ زیر بحث رہتی ہیں۔ طالب علم کے لیے یاد رکھنے کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل کی بقا اور شفاف انتظام وقف شدہ ہر چیز کی حفاظت کی کنجی ہے، اور کسی مخصوص چیز کے وقف کی شرعی حیثیت میں شک ہو تو مستند علماء سے رجوع کیا جائے۔

سوال نمبر 5: وقف کی اقسام (20 نمبر)

وقف کی اقسام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

وقف کی اقسام کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ وقف ایک ہی مقصد کے لیے قائم نہیں ہوتا۔ کوئی واقف عام فلاح کے لیے وقف کرتا ہے، کوئی اپنی اولاد کی کفالت کو آگے رکھتا ہے، کوئی زندگی ہی میں وقف مکمل کر دیتا ہے اور کوئی اسے اپنی وصیت سے مشروط کرتا ہے۔ ان متنوع صورتوں کی وجہ سے فقہاء نے وقف کو کئی اعتبار سے تقسیم کیا ہے

اور ہر قسم کے شرعی و قانونی اثرات الگ سے بیان کیے ہیں۔ اس جواب میں وقف کی اقسام کو چار اعتبار سے بیان کیا جائے گا: مستفیدین کے اعتبار سے، انعقاد کے وقت کے اعتبار سے، لزوم و دوام کے اعتبار سے، اور موضوع و مقصد کے اعتبار سے۔ اس طرح طالب علم کے سامنے اس باب کا مکمل نقشہ آ جائے گا اور پچھلے سوالات میں بیان شدہ مباحث یعنی وقف کی اہمیت اور موقوفہ اشیاء کی اقسام سے اس کا ربط بھی واضح ہو جائے گا۔

مستفیدین کے اعتبار سے اقسام

مستفیدین یعنی فائدہ اٹھانے والوں کے اعتبار سے وقف کی تین مشہور اقسام ہیں۔ پہلی قسم وقف خیری یا وقف عام ہے، جس میں واقف ابتدا ہی سے اپنا مال عام بھلائی کے لیے وقف کر دیتا ہے، جیسے مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، سرائے یا فقراء کی کفالت کے لیے وقف۔ اس قسم کی آمدنی آخری درجے میں بھی خیر ہی کی جہت میں صرف ہوتی ہے اور اس میں واقف کے خاندان کو کوئی خصوصی حق حاصل نہیں ہوتا۔ دوسری قسم وقف اہلی یا وقف ذری ہے، جس میں واقف اپنی اولاد در نسل پر وقف کرتا ہے، یعنی آمدنی پہلے اس کی اولاد کو ملے گی اور نسل ختم ہونے کے بعد، جو فقہی طور پر لازمی آخری مرحلہ ہے، یہ آمدنی فقراء یا کسی خیر کی جہت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس قسم کی اصل حکمت خاندان کو بھیک اور بے بسی سے بچانا اور جائیداد کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھنا تھی۔ اسی ذری وقف پر بعد کے ادوار میں یہ اعتراض بھی ہوا کہ اس سے بعض اوقات جائیداد کے فعال استعمال میں رکاوٹ پڑتی ہے، اس لیے کچھ مسلم ممالک نے قانون سازی کے ذریعے اسے محدود یا ختم کیا، البتہ فقہی اصول کے طور پر اس کا جواز جمہور کے نزدیک ثابت ہے۔ تیسری قسم وقف مشترک یا مختلط ہے، جس میں دونوں جہتیں جمع ہو جاتی ہیں، مثلاً واقف کہے کہ آمدنی کا نصف میری اولاد پر اور نصف مدرسے پر خرچ ہو، یا پہلے اولاد اور اس کے بعد ساتھ ساتھ کوئی خیر کی جہت بھی شریک رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوقاف میں اس نوعیت کی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ یہ تینوں اقسام اس لحاظ سے ایک دوسرے سے جڑی ہیں کہ ہر وقف کی آخری منزل کوئی دائمی خیر کی جہت ہی ہونی چاہیے، کیونکہ وقف کا اصل مقصد دوام ہے اور خاندانی سلسلہ کبھی نہ کبھی منقطع ہو ہی جاتا ہے۔

انعقاد اور لزوم کے اعتبار سے اقسام

دوسرا اعتبار انعقاد کے وقت کا ہے۔ اس لحاظ سے وقف کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی وقف منجز ہے، یعنی جو زندگی میں فوراً نافذ ہو جائے۔ واقف جیتے جی اپنی جائیداد وقف کر دے اور متولی کے سپرد کر دے تو یہ اسی دن سے کامل وقف بن جاتا ہے۔ دوسری وصیت کے ذریعے وقف ہے، جسے وقف بالوصیت کہا جاتا ہے۔ اس میں واقف کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری فلاں چیز وقف کر دی جائے۔ اس قسم پر وصیت کے احکام لاگو ہوتے ہیں، خاص طور پر یہ کہ وصیت صرف ایک تہائی مال کی حد تک بغیر ورثاء کی اجازت کے نافذ ہوتی ہے، اس سے زیادہ کے لیے ورثاء کی رضامندی درکار ہوتی ہے۔ اس فرق کو نہ سمجھنے سے خاندانوں میں بہت سے تنازعات پیدا ہوتے ہیں، اس لیے وقف کرنے کے خواہشمند شخص کو واضح مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں تحریری و قانونی طور پر وقف مکمل کرے۔ تیسرا اعتبار لزوم کا ہے، یعنی وقف کب ناقابل واپسی بنتا ہے۔ اس میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ابتدائی مشہور رائے کے مطابق وقف فی نفسہ غیر لازم حقد ہے، یعنی واقف اپنے وقف سے رجوع کر سکتا ہے، الا یہ کہ قاضی اس کے لزوم کا فیصلہ کر دے یا واقف فوت ہو جائے اور وقف اس کی وصیت کی حیثیت اختیار کر لے، جبکہ مسجد کا وقف اس سے مستثنیٰ ہے جو ان کے نزدیک بھی لازم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں صاحبین، امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ، اور جمہور فقہاء کے نزدیک وقف اعلان اور شرائط کی تکمیل کے ساتھ ہی لازم ہو جاتا ہے اور واقف کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔ راجح فقہی و قانونی عمل عموماً صاحبین و جمہور کے قول پر ہے، کیونکہ اسی سے وقف کا ادارہ مستحکم رہتا ہے۔ دوام کے اعتبار سے بھی ایک تقسیم ہے کہ وقف دائمی ہوتا ہے، جو اصل فقہی اصول ہے، جبکہ فقہ مالکی میں وقف مؤقت بھی درست ہے، جس میں مدت پوری ہونے کے بعد چیز واقف یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہ اقسام ظاہر کرتی ہیں کہ وقف ایک لچکدار ادارہ ہے جسے واقف اپنی ضرورت اور نیت کے مطابق ڈھال سکتا ہے، مگر ہر صورت میں شرائط کی تحریر اور قانونی تکمیل ناگزیر ہے۔

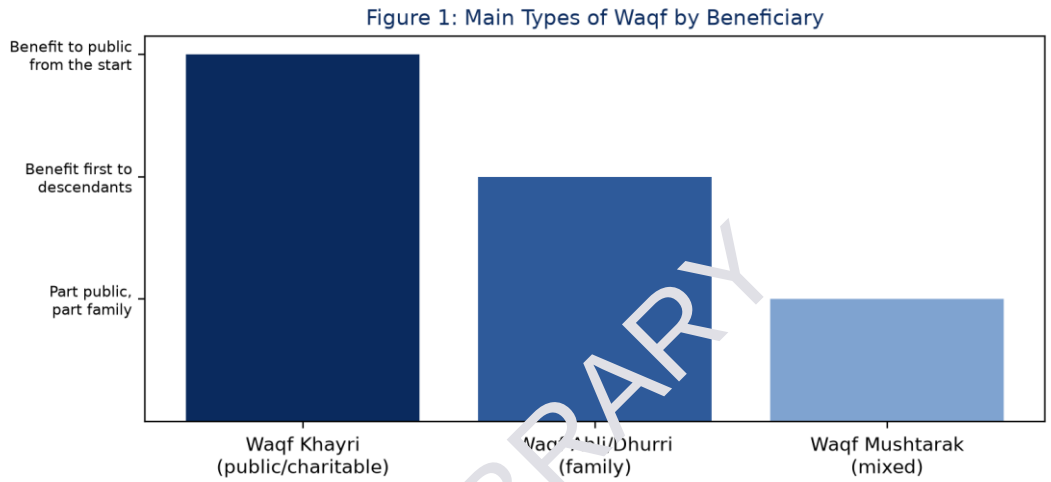

شکل1: مستفیدین کے اعتبار سے وقف کی بنیادی اقسام—خیری، اہلی اور مشترک۔

مقصد و انتظام کے اعتبار سے اقسام اور تقابلی جائزہ

چوتھا اعتبار مقصد اور موضوع کا ہے۔ اس لحاظ سے وقف کو دینی و عبادتی، تعلیمی و علمی، رفاہی و سماجی اور خاندانی مقاصد میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دینی وقف میں مساجد و مدارس کی املاک آتی ہیں، تعلیمی وقف میں کتب خانوں، جامعات اور اسکالرشپ کے اوقاف، رفاہی وقف میں شفاخانے، سرائے، کنویں اور قبرستان، اور ان سب کی شرائط و انتظام ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ انتظام کے اعتبار سے بھی وقف کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس میں واقف خود یا اس کی نامزد کردہ نسل متولی بنتی ہے، اور دوسری وہ جس میں کسی ادارے یا حکومتی محکمہ اوقاف کو تولیت دی جاتی ہے۔ واقف کو اپنی زندگی میں خود متولی بننے کا حق حاصل ہے اور اس کے بعد تولیت کی ذمہ داری اس کی بیان کردہ ترتیب سے منتقل ہوتی ہے۔ ذیل کا جدول وقف خیری اور وقف اہلی کا تقابلی خلاصہ پیش کرتا ہے، جو امتحانی نقطہ نظر سے اس سوال کا مرکزی حصہ ہے۔

جدول1: وقف خیری اور وقف اہلی کا موازنہ

پہلو	وقف خیری (عام)	وقف اہلی (ذری)
ابتدائی مستفید	عوام، فقراء، مسجد و مدرسہ	واقف کی اولاد و نسل

نسل ختم ہونے پر فقراء و خیر	دائمی خیر کی جہت	آخری جہت
خاندان کی کفالت و جائیداد کا تحفظ	اجتماعی فلاح و صدقہ جاریہ	بنیادی مقصد
بعض ممالک میں قانوناً محدود	عام طور پر برقرار و مسلم	جدید قانونی حیثیت
عموماً خاندان میں تولیت منتقل	متولی یا اوقاف کا ادارہ	انتظام

اس تقابل سے ایک اور نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وقف کی قسم خواہ کوئی ہو، اس میں تین عناصر ہمیشہ مشترک رہتے ہیں: اصل مال کی بقا، شرائط واقف کی پابندی، اور منفعت کی مقررہ جہت میں صرف۔ شرائط واقف کو فقہاء نے اس قدر اہمیت دی ہے کہ اسے شرائط شارع کی طرح لازم العمل کہا گیا ہے، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم سے متصادم نہ ہوں۔ اسی طرح متولی کی امانت اور حساب کتاب ہر قسم کے وقف میں یکساں لازم ہے، اور خیانت کی صورت میں عدالت کو متولی کی معزولی کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ عملی نصیحت کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں کسی بھی قسم کا وقف کرتے وقت تحریری وقف نامہ، رجسٹری، واضح تولیت اور آڈٹ کا انتظام اس کی اقسام سے بھی بڑھ کر اس وقف کی بقا کی ضمانت بنتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ وقف کو چار اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ مستفیدین کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں: وقف خیری، وقف اہلی اور وقف مشترک، اور ہر قسم کی آخری منزل کوئی خیر کی جہت ہوتی ہے۔ انعقاد کے اعتبار سے وقف منجز اور وقف بالوصیت ہیں، جن میں دوسرے پر تہائی مال کی حد اور ورثاء کے حقوق کے اصول لاگو ہوتے ہیں۔ لزوم کے اعتبار سے صاحبین و جمہور کے نزدیک وقف قائم ہوتے ہی لازم و ناقابل رجوع ہوتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے میں قاضی کے فیصلے یا وفات سے اس کا لزوم مکمل ہوتا ہے، اور دوام کے اعتبار سے اصل قاعدہ دائمی وقف ہے جبکہ مالکی مسلک میں مؤقت وقف بھی جائز ہے۔ مقصد کے اعتبار سے وقف دینی، تعلیمی، رفاہی اور

خاندانی مقاصد میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہ اقسام وقف کے ادارے کی وسعت اور لچک کو ظاہر کرتی ہیں۔ کسی عملی وقف کے قیام میں، خاص طور پر جائیداد سے متعلق، تحریری دستاویز اور قانونی رجسٹری کے ساتھ ساتھ مستند اہل علم کی رہنمائی حاصل کرنا ہی درست راستہ ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com